

نورتن، بہت سیانے ہونے چاہیں!

بیرم خان، برصغیر کی تاریخ کا حیرت انگیز شخص ہے جسکے کندھوں پر مغل سلطنت قائم ہوئی۔ محیر العقول صلاحیتوں کا مجموعہ انسان، بیک وقت فوج کا سپہ سالار، اقتدار اعلیٰ کا مالک، حکمران اور شہنشاہ کے سر کا تاج رہا تھا۔ صرف سولہ برس، یعنی نوجوانی میں ہی با بر کی فوج کا حصہ بن گیا۔ بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو بیرم خان اسکی فوج کا اہم ترین کمانڈر تھا۔ وقت بدلتا گیا۔ درخت کے سائے میں درخت نہیں اگتا۔ عناں حکومت ہمایوں جیسے سست انسان کے پاس آگئی۔ فوج میں بیرم خان ایک جری جرنیل کے طور پر مستحکم ہو چکا تھا۔ کمال دانا آدمی۔ ہمایوں نے اسکے حوالے، تمام ”شاہی مہریں“ کرڈا لیں۔ اس طرح بیرم ”مہردار“ بن گیا۔ جس بھی کاغذ پر اسکی مہر نہ ہوتی، اسکی کوئی سرکاری حیثیت نہیں تھی۔ شکست کے بعد، وہ ہمایوں ہی کے ساتھ رہا۔ ذاتی جدوجہد سے قدر ہار کو فتح کر ڈالا اور پورے نوسال قدر ہار کا مختار گل رہا۔ ہمایوں جب ہندوستان دوبارہ فتح کرنے کیلئے واپس آیا تو اسکی اصل طاقت بیرم خان کی فوج تھی۔ 1556ء میں ہمایوں کے بعد، برصغیر ایک عجیب کشمکش کا شکار ہو گیا۔ نیا بادشاہ، جلال الدین اکبر ایک بچہ تھا۔ مگر وہ لڑکا ملک کا بادشاہ تھا۔ اس نئھے منے پچے کے ارد گرد ہر طرح کے خطرات تھے۔ محلاتی سازشیں، بغاوتیں، جنگیں اور نافرمانی کا ایک لامتناہی سلسلہ موجود تھا۔ لقدریکے فیصلے نے بیرم خان کو اکبر کا ریجٹ، اطالتیق، گرو، محافظ یا استاد بنا دیا۔ اکبر کو اکبر بنانے والا صرف اور صرف وہی شخص تھا۔ اسی کے مضبوط کندھوں پر مغل حکومت کی بھاری بھر کم بیویاں ایسٹاڈ تھیں۔ بیرم خان کو ”خان الخانان“ کا لقب دیا گیا۔ اسی نے پانی پت کی دوسری جنگ میں بیوی کا ل کو شکست دی تھی۔ برصغیر کا اندازہ لگائیے۔ آج کل کے کئی ملک اس میں سما جاتے تھے۔ دنیا کی امیر ترین ریاست جسکے متعلق افسانوی قصہ موجود تھے۔ وسطی ایشیاء اور سمندر پارے فرنگی، تمام روزگار کیلئے صرف اور صرف اس خطے کا رخ کرتے تھے۔ اصل اقتدار بیرم خان کے پاس تھا۔ عجیب بات ہے کہ برصغیر کی طاقت کی ادنیٰ روایتوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ اپنے قدر کا ٹھہ کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ جب احساس ہوا کہ اکبر اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے تو دونوں میں ایک تکلیف دہ تناو پیدا ہو گیا۔ یہ درباری تناوار اور اصل سپہ سالار اور بادشاہ کے درمیان تھا۔ اکبر نے بیرم خان کو دوراستے فراہم کیے۔ ایک تو، اسکا عام ساوزیر بن جائے اور دوسرا مکہ منتقل ہو جائے۔ اس وقت لندن آج کی حالت میں نہیں تھا۔ ورنہ موجودہ روایات کے حساب سے اسے فوری طور پر لندن روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ ویسے بیرم خان کے پاس کوئی ایسا ”مربی“ بھی نہیں تھا جو اسے لندن میں بے پناہ خوبصورت محل اور جا گیر خرید کر دے دیتا۔

بر صغیر میں کوئی بھی نہیں تھا جس سے جائزیانا جائز دولت، منی لانڈرنگ کے ذریعے برطانیہ منتقل کر دی جاتی۔ بیرم خان نے منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس کیلئے روانہ ہوا۔ مگر سیاسی روایات کے تحت یہ ایک جلاوطنی تھی۔ ویسے عجیب بات ہے کہ ہمارے ”ملزم یا مجرم“ اکابرین کو نہ ہی مقدس مقامات پر جلاوطن کرنے کا رجہان حد درجہ پرانا ہے۔ بیرم خان راستے میں مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اپنے مضبوط ترین جریں کو بذاتِ خود اکبر نے سازش کے تحت قتل کروا یا۔ دیگر سمجھدار تاریخ دان لکھتے ہیں کہ اسے بیوی کا ل کے ایک سابقہ فوجی، چاقی خان میواتی نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ قتل ہونے کی اصل وجہ صرف یہی تھی کہ ”خان الخانان“ کے حق میں طاقت کا توازن

نہیں تھا۔ بیرم خان، سیاسی بساط پر بغیرِ ذر کامہرہ تھا۔ اسیے اسے بڑی آسانی سے مارڈا لگیا۔ جب تک وہ سپہ سالار تھا، مغل بادشاہ اس کا مرہوں منت تھا۔ بادشاہوں کو بنانے اور قائم رکھنے والا تجربہ کا شخص تھا۔ مگر جیسے طاقت کی شترنج پر کمزور کھلاڑی بنا، اسی وقت غالب کر دیا گیا۔ صاحبان، یہ تو صرف ایک واقعہ ہے۔ ایک تلخ کہانی سی ہے۔ مگر یہی دربار کی اصل حقیقت ہے۔ اقتدار کا یہ کھیل صدیوں سے کھیلا جا رہا ہے اور آج بھی صرف تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ ایک اہم ترین نکتہ اور بھی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے ارد گرد، اس وقت کے ذہین ترین لوگ یعنی ”نورتن“ موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے بھی اکبر کو بیرم خان سے لڑنے یا جنگ کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ نورتن کوئی معمولی قسم کے لوگ نہیں تھے۔ اپنے دور کے سیانے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بیرم خان کو زبردستی ہٹانے سے لشکر میں بغاوت ہو جائیگی اور دہلی کا مضبوط تخت نکوں کی طرح ڈونے لگ جائیگا۔

سوچ رہے ہو گئے کہ بیرم خان کا قصہ کہاں سے آگیا۔ بھلا، آج کا جمہوریت سے لبریز پاکستان، کا چار صدیاں قبل کے واقعات سے کیا لیندا بینا۔ آج تو ہمارے پاس آئیں کی درسی کتاب بھی موجود ہے۔ ماشاء اللہ، انصاف کی عدالتیں بھی ٹھوک بجا کرنا پنا کام کرنے میں مصروف نظر آتی ہیں۔ پھر یہ اکبر بادشاہ، پھر یہ بیرم خان جیسے فوجی کا قصہ بیان کرنے کی کیا ضرورت آن پڑی۔ لیکن، صاحبان، اصل حقیقت بالکل وہی ہے جو آج سے چار سو سال پہلے بلکہ چار ہزار سال قبل موجود تھی۔ طاقت کا توازن جب تک کسی بھی حکمران کے ساتھ ہوتا ہے وہ اکبر اعظم رہتا ہے۔ جیسے ہی کوئی فریق ناتوان ہوتا ہے تو اسے آرام سے دو چار ادنیٰ قسم کے موالي دنیا سے آگے بھیج دیتے ہیں۔ یہ قصہ غیر معمولی نوعیت کا ہے اور اسے سمجھنے کی معمولی سی کوشش کرنی چاہیے۔

اس وقت نواز شریف، اقتدار کے مروجہ اصولوں کے بھرپور طریقے سے خلاف چلنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ملک کا ہر سنجیدہ طبقہ جانتا ہے کہ ریاستی، عسکری اداروں نے انہیں ابتدائی طور پر ایکساائز اور ٹیکسٹیشن کا وزیر مقرر کیا۔ پھر انہی اداروں نے ترقی دیکروزیر اعلیٰ پنجاب کے منصب تک پہنچایا۔ کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔ مگر طاقت اداروں کی حد درجہ تابعداری فرماتے تھے۔ انکی بہت سی تصاویر موجود ہیں۔ جن میں وہ لاہور شہر کے رضا کاروں کے ہیڈوارڈن کی حیثیت سے فوجی گورنر کے ساتھ فخریہ انداز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ ریاست کی توانائی کے ذریعے اپنے کاروبار کو حد درجہ آگے بڑھالیا۔ اسکے متعلق دلیل یہ ہے کہ انکے ذاتی خاندان کے علاوہ، دیگر پچھا تایا کی اولاد دوست کی اس ریل پیل نہیں دیکھ سکی جو صرف اور صرف آل شریف کا مقدر بنی۔ خفیہ ہاتھوں نے، میاں صاحب کو پیپلز پارٹی کے خلاف استعمال ہونے کا حکم دیا اور موصوف نے بینظیر بھٹو کی زندگی تگ کرڈا۔ عمده ترین وفاداری اور تابعداری کے زیر اثر انہیں مزید ترقی دی گئی۔ یعنی اب ملک کے وزیر اعظم بنادیے گئے۔ یہاں انکے مقاصد صرف دو تھے۔ جائز اور ناجائز طریقے سے دولت میں حد درجہ اضافہ کرنا اور دوسرا پیپلز پارٹی کو غدار ہونے کا طعنہ دینا۔ انکی منفی کاروباری سرگرمیوں کی بدولت، جن اداروں نے انہیں تخت نشین کیا تھا، انہیں سمجھایا کہ ذاتی اقتصادی حالات بہتر کرنے پر اتنا زور نہ دیں۔ لازم ہے کہ بادشاہ کو اپنے سابقہ سپہ سالاروں کی نصیحت کہاں پسند آتی تھی۔ لہذا، وہ پہلی بار معزول کر دیے گئے۔ پھر اسٹیبلشمنٹ سے معافی تلافی کر کے اقتدار میں آئے، تو انہوں نے تاریخی غلطی کی، جسے اکبر اعظم کے نورتوں نے کم از کم اسے نہیں کرنے دی۔ مضبوط ترین سپہ سالار کی بر طرفی۔ دراصل نواز شریف، اپنے

آپکو حقیقت میں وزیر اعظم سمجھنے لگے تھے۔ 1999ء میں انہیں تیسری بار سمجھایا گیا کہ اچھے بچوں کی طرح رہو۔ وہی کھاتے رہوا و واقعی پورا خاندان، انتہائی سلیمانی ہوئے بچوں کی طرح جدہ اور لندن میں مٹھائی کھاتا رہا۔ مگر بڑے میاں صاحب نے ایک غیر سیاسی کھیل رچا کر دوبارہ وطن واپسی کر دی۔ باقی باقی میں کیا بیان کرنی ہیں۔ ہر ایک کے علم میں ہیں کہ کیا ہوا اور کیسے وہ تیسری بار، ووٹ کے ذریعے نہیں، عسکری اداروں کی مدد سے وزیر اعظم بن گئے۔

مگراب انکے ذہن میں صرف اور صرف ایک بات پختہ ہو چکی تھی۔ کہ جو بھی ملک کا ”بیرم خان“ ہو گا، انکا دشمن ہو گا۔ ذاتی دربار میں فرماتے تھے کہ دیکھا پھر سپہ سالار آیا اور مجھے کتنی عزت سے سیلوٹ کیا۔ یہ تمام باقی میں نہ کہیں نہ درج ہو رہی تھیں۔ آگے جو کچھ ہوا، تاریخ کا حصہ ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ بڑے میاں صاحب کی سوچ ابھی تک تبدیل نہ ہو پائی۔ سزا ہو کر عقوبت خانے گئے۔ تو پھر ریاستی اداروں نے باہر یعنی لندن بھیج کر جان بخشی کر دی۔ مگر وہاں انکے نورتن فرنگی اداروں کے لوگ قرار پائے۔ انہوں نے چند ہفتے پہلے تک پاکستان کے اہم لوگوں سے رحم کی درخواست کی۔ مگر رد ہونے کے بعد، وہ ایک ایسے راستے پر گامزن ہو گئے، جسکی کم از کم اب تک کوئی منزل نہیں ہے۔ بادشاہ سلامت نے بذاتِ خود بھی ووٹ کو عزت نہیں دی۔ قومی اسمبلی کو مکمل طور پر رد کر دیا۔ کابینہ کا اجلاس سال میں دو تین بار کرنا ہی گوارا فرماتے تھے۔ لہذا، انکی آج کی پالیسی، انکے ماضی سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتی۔ مسئلہ یہ ہے کہ نہ وہ اکبر اعظم بن پائے، جو بیرم خان کو مکہ بھجوانے کی استطاعت رکھتا تھا اور نہ ہی وہ بیرم خان سے ہی روایتی وفاداری نہ سکے۔ اس خطے کی صرف ایک تلخ حقیقت ہے کہ طاقتو فریق ہی تخت نشین ہوتا ہے۔ لگتا یہ ہے کہ ”بیرم خان“ انکے عجیب و غریب رویے سے بیزار ہو چکا ہے اور اب شاہی دربار کی نئی صفائی ہو چکی ہے۔ مگر اس نئے دربار میں میاں صاحب کی کرسی شائداب تک بنوائی نہیں جاسکی؟ مگر کسی بھی بادشاہ کے نورتن بہت سیا نے ہونے چاہیں!

راو منظر حیات